شکیل احمد خان
اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر فوزیہ اسلم
استاد، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

علم ترجمہ اُردو اَدب کے تناظر میں

Shakeel Ahmed Khan
Scholar Ph.D Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad.
Dr. Fouzia Aslam
Professor, Department of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad.

Translation Studies in the Context of Urdu Literature

Throughout history translation has played a vital role in inter-human communication. It has given us access to religious and literary texts written in different languages, cultures and periods. Translation played a crucial role in development and evolution of Urdu language and literature. Urdu literature borrowed new concepts, models and literary forms from other languages especially from Arabic, Persian and English. Due to this significance of translation in Urdu literature it is required to have an in depth knowledge of translation studies which has made tremendous progress during the last fifty years and has (gained) emerged as a new discipline, known as translation studies. This is an inter-disciplinary subject that has its own history, theories, concepts, research models and teaching methods. This is need of hour for the Urdu scholars and researchers to study and understand various areas of this new emerging academic discipline, so that they may be able to understand the translated text in a better way and do quality research in this domain.

Key Words: *Translation Knowledge, Language, Literature, Emerged, Teaching Methods, Academic Disciline, Researchers.*

فن ترجمہ کاری نے صدیوں کے ارتقائی سفر کے بعد بیسویں صدی کے دوسرے وسط میں ایک باقاعدہ شعبہ علم کی حیثیت اختیار کرلی۔ ترجمے کو ایک الگ شعبہ ء علم کی حیثیت سے اپنی شناخت بنانے میں دو ہزار کا علمی و فکری سفر طے کرنا پڑا۔ اس دوران کہنہ مشق اور نامور مترجمین نے شاہکار تراجم بھی کیے اور اپنی آراء اور تراجم کے

دیباچوں میں اپنی حکمت عملی اور نقطہء نظر کا اظہار بھی کیا۔ لیکن بیسویں صدی کے وسط تک ترجمے کے حوالے سے افکار، آراء اور نقطہ ہائے نظر منتشر تھے اور کسی حد تک ترجمے کو ایک کم درجے کی علمی سرگرمی تصور کیا جاتا تھا۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے عشروں میں ایک طرف تو اجزائے پریشاں کی شیرازہ بندی کی گئی اور دوسری طرف ترجمے پر منظم، مربوط اور الگ شعبہء علم کی حیثیت سے غور و فکر، تحقیق، تنقید اور نظریہ سازی کی گئی جس کے نتیجے میں علمی دنیا ایک الگ Discipline یا مضمون سے آشنا ہوئی جسے علم ترجمہ (Translation Studies) کہا جاتا ہے۔

علم ترجمہ، نظریہء ترجمہ اور ترجمہ کاری سے وابستہ ایک نیا شعبہء علم ہے۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بین اللسانی اور بین العلومی حیثیت کا مالک ہے۔ جو زبانوں لسانیات، ابلاغیات، فلسفہ اور مطالعہ تہذیب کے متنوع عناصر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ گو ترجمے کا عمل معلوم تاریخ سے جاری ہے۔ مگر فی زمانہ ترجمے نے محض ایک زبان کے تحریری متن کو دوسری زبان کے تحریری متن میں بدلنے سے بڑھ کر ایک باقاعدہ علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس علم کو انگریزی بولنے والے ملکوں میں "Translation Studies" یا "Translatology" کہا جاتا ہے۔ اس نئے ابھرتے ہوئے مضمون کو علمی دنیا سے متعارف کرانے کا سہرا جیمز۔ ایس۔ ہومز کے سر ہے۔ جس نے اپنے ایک تاریخی اہمیت کے مضمون؛ "The name and nature of Translation Studies" میں نہ صرف اس نئے مضمون کا نام تجویز کیا بلکہ اس کے بنیادی خدوخال بھی واضح ہے۔ ہومز کے بعد "سنل ہار نبی (Snell Hornby) نے اپنی کتاب "Translation Studies: An Integrated Approach" میں اس امر پر زور دیا ہے کہ اس علم کو ایک الگ اور خود مختار شعبہ علم کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ سنل ہاربی کے بعد مونا بیکر نے بھی "The Routledge Encyclopedia of Translation Studies" کے تعارف میں اس نئے اور وسیع علم کے بارے میں بہت پر جوش انداز میں بات کی ہے۔ یوں مغرب میں گزشتہ پانچ عشروں کے دوران اس علم نے بہت تیزی سے ترقی کے مراحل طے کر کے ایک الگ شعبہ علم (Discipline) کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

اور اب یہ علم مضبوط بنیادوں پر کھڑا علمی دنیا میں اپنی اہمیت اور وقار میں اضافہ کر رہا ہے۔ مغرب کی سینکڑوں یونیورسٹیوں میں اس علم کے شعبے قائم ہو چکے ہیں۔ اس علم کی اپنی ایک تاریخ مرتب کی جا چکی ہے۔ اس کے نظریات و تصورات وضع ہو چکے ہیں۔ اس کے طریقہ ہائے تدریس پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اس کے اپنے تحقیقی نمونے (Models) ہیں۔ دنیا بھر میں اس علم پر بحث و مباحثے کا سلسلہ جاری ہے۔ سیمینار اور ورکشاپس کا انعقاد ہو رہا ہے۔ اس مضمون کے مختلف پہلوؤں پر کتب شائع کی جا رہی ہیں اور مختلف ممالک سے علم ترجمہ پر رسائل و جرائد

کے اجرا کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ جن میں چند معروف جرائد :Babelنیدر لینڈ سے، Metaکینڈا سے، Parallelsسویٹزر لینڈ سے، Literature in Translationبرطانیہ سے اور Tarjuman مورا کو سے سے شائع ہوتا ہے۔ مغرب کی بہت سی یونیورسٹیوں میں علم ترجمہ پر پی۔ایچ ڈی کے مقالات بھی لکھے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ سوزن بیسنٹ کے الفاظ میں "علوم کا ترجمہ کا مضمون اپنی مستقل حیثیت کا برملا اعلان کر رہا ہے۔اس میدان میں عالمی سطح پر دیکھی جانے والی قوت اور حرکت سے اس دعویٰ کو تقویت ملتی ہے"۔

گزشتہ پانچ عشروں کے دوران تیزی سے ترقی کرنے والے اس نئے شعبہ علم کی نوعیت بین العلومی ہے۔ یہ علم لسانیات، عمرانیات، کلچرل سٹڈیز، فلسفہ، تنقید، ادب، مابعد نو آبادیات، تنقیدی نظریات اور تقابلی ادب کے بہت سے نقطہ ہائے نظر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اور ان علوم کے نظریات و تصورات اور تحقیقی نمونوں کو حسبِ ضرورت اپنے مقاصد کے لیے بروئے کار لاتا ہے۔ لہٰذا اس علم کی تحصیل اور بہتر تفہیم کے لیے دوسرے علوم سے آگاہی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مختلف علوم کا ترجمہ کرنے کے دوران متعلقہ علوم کا مطالعہ اور تحقیق بھی ضروری ہوتی ہے۔ طبی یا قانونی دستاویزات کے ترجمے کے لیے طب اور قانون کے علم اور اصطلاحات سے شنائی کی ضرورت لازماً محسوس ہوتی ہے۔ یوں علم ترجمہ صحیح معنوں میں بین العلوی شعبہ علم ہے اور دوسرے علوم سے واقفیت کے بغیر اس علم پر دسترس ممکن نہیں۔ علم ترجمہ کا طالب اپنی دلچسپیوں کے دائرے میں وسعت لا کر مختلف علوم کے چشموں سے سیراب اور فیض یاب ہو سکتا ہے کیونکہ:

> "بین العلومی مطالعہ دو بظاہر بعید مضامین کو قریب لاتا ہے اور اس طرح علم کی یگانگی اور یکجہتی کا حق ادا کرتا ہے۔ آج کل درس گاہوں میں ایسے موضوعات کے مطالعے کو قدر و وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کیوں کہ مختلف علوم کے جو اساتذہ و طلبہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے، ایسے مشترکہ موضوعات کے طفیل ایک دوسرے کے ہم کلام و ہم نشیں ہو سکتے ہیں"۔[۲]

اس تناظر میں اردو زبان و ادب کے طلبہ اور اسکالروں کو اپنی فکر و نظر میں وسعت لا کر اس علم کے جملہ پہلوؤں سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے۔ اردو زبان و ادب کی ترقی اور ارتقا میں تراجم نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ہماری کلاسیکی شاعری نے فارسی شاعری سے بطور خاص اکتساب فیض کیا ہے اور ہمارے کلاسیکی شعرا نے فارسی اشعار کے تراجم پیش کیے ہیں۔ اُردو کا ابتدائی نثری سرمایہ بھی تراجم ہی کا مرہون احسان ہے، اس کے علاوہ بہت سی اصناف

عربی اور فارسی سے تراجم کی مدد سے ہی اردو ادب کے دائرے میں داخل ہوئی ہیں۔ انگریزوں کی برصغیر میں آمد کے بعد مغربی زبانوں اور خصوصاً انگریزی زبان و ادب نے اردو ادب پر گہرے اور اَنمٹ نقوش مرتب کیے۔ ملکی نو آباد کاروں نے گرامر، لغت، ترجمے اور تحقیق و تنقید کے شعبوں میں خود بھی کام کیا اور مقامی علما پر بھی اثرات مرتب کیے جس کے نتیجے میں اُردو زبان و ادب میں نئی اصناف بھی پروان چڑھیں اور تحقیق و تنقید کے نئے نقطہ ہائے نظر بھی سامنے آئے۔

"نظم افسانہ اور انشائیہ کی طرح اُردو تنقید بھی مغرب سے درآمد ہوئی تھی"۔ (۳)

انگریزی کے علاوہ روسی ناول، فرانسیسی فلسفہ و تنقید، جرمن شاعری اور فلسفہ کے اثرات بھی اردو ادب پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ برصغیر کی دیگر زبانوں کے ادبوں کے اُردو اَدب پر اثرات بھی ایک دلچسپ اور کارآمد مطالعہ ہے۔ اُس تناظر میں اردو دان طبقے اور خصوصاً اردو زبان و ادب کی تحقیق سے وابستہ اصحاب کو بطور خاص ترجمہ کی گہری بصیرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو ادب کے ارتقا میں ترجمے کے کلیدی کردار کے پیش نظر اردو ادب کے اساتذہ اور طلبہ کو فی زمانہ جس شعبہ علم پر نظر التفات ڈالنے کی ضرورت ہے وہ علم ترجمہ ہے۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ اردو کی ادبی تحقیق میں ابھی تک صحیح معنوں میں ترجمے پر تحقیق کا آغاز ہی نہیں ہو سکا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اردو ادب سے وابستہ اصحاب ابھی تک علم ترجمہ کی مبادیات سے سے بے خبر ہے۔ اردو زبان میں ترجمے پر لکھی گئی کتب ابھی تک ترجمے کو ایک علم کے بجائے محض ایک فن کے طور پر برت رہی ہیں۔ یعنی اردو دان طبقہ محض فن ترجمہ کاری (The art of translating) کو کل علم سمجھتا ہے اور اس علم میں ہونے والے صدیوں کے ارتقا اور خصوصاً گزشتہ پچاس سال کی برق رفتار ترقی سے یا تو لاعلم ہے یا اس سے شعوری طور پر اغماز برت رہا ہے۔

ترجمے کے حوالے سے اردو زبان میں دستیاب کتب کی تعداد ایک درجن سے بھی کم ہے۔ ایک دو کتب کے سوا باقی تمام کتب مرتبہ ہیں اور ترجمے کے حوالے سے بہت سطحی، یک رخی اور ابتدائی نوعیت کی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ان کتب میں علم ترجمہ پر مربوط معلومات نہیں ملتیں۔ ان کتب میں محض فنِ ترجمہ (Art of Translating) پر مباحث پائے جاتے ہیں۔ یعنی ایک زبان کے متن کی جگہ دوسری زبان کا متن فراہم کرنا۔ ان کتب میں سب سے پہلے اعجاز راہی کی کتاب "ترجمہ: روایت اور فن" ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۵ء میں مقتدرہ زبان اسلام آباد سے شائع ہوئی۔ خلیق انجم کی کتاب "فن ترجمہ نگاری" مرزا حامد کی کتاب "ترجمے کا فن" ڈاکٹر قمر رئیس کی

کتاب "ترجمے کا فن اور روایت"، صفدر رشید کی مرتبہ کتاب "فنِ ترجمہ کاری" اور خالد اقبال یاسر کی کتاب "فنِ ترجمہ: اصول و مبادیات" ہے۔ ان تمام کتب کے ناموں میں "فن" کا لفظ مشترک ہے اور "فن ترجمہ کاری" یا "فنِ ترجمہ نگاری" سے یہاں مراد ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کا عمل ہے۔ اس سے یہ امر آئینہ ہو جاتا ہے کہ ان کتب میں علم ترجمہ کے صرف ایک پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے اور کہیں بھی جدید دنیا میں تیزی سے ابھرتے اور فروغ پانے والے اس نئے علم پر بحیثیت ایک الگ شعبہ علم کے طور پر بحث نہیں کی گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہ ہماری زبان کے ترجمے کے علما اس علم کی ترقیوں سے کس قدر غافل ہیں۔ ان مصنفین کے ترجمے کے نقطہء نظر پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیے:

> "ترجمے کا فن اتنا ہی قدیم ہے، جتنا کہ انسان کی سماجی زندگی"۔[۴]
>
> "ترجمے کے فن سے ناواقفیت اور تن آسانی نے تراجم میں ایک نیا طرز تحریر بھی ایجاد کیا ہے، جس کے لیے انگریزی میں Journalese کی اصطلاح موجود ہے"۔[۵]
>
> "ترجمہ ایک ایسا فن ہے، جس کی وساطت سے ایک زبان کے فن پارے کو دوسری زبان میں منتقل کر کے اس زبان کے قارئین کو اس تک پہنچنے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں"۔[۶]
>
> "ترجمہ کاری ایک فن ہے اور فن سیکھا جا سکتا ہے"۔[۷]

کتب کے ناموں کی طرح ان بیانات سے بھی یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اُردو زبان میں ترجمے پر شائع ہونے والی کُتب اور ان کے مصنفین و مرتبین اس علم پر کتنی دسترس اور اس سریع الرفتار فروغ پذیر شعبہء علم کی حالیہ ترقیوں سے کتنی آگہی رکھتے ہیں؟

علم ترجمہ کی مبادیات، تصورات، نظریات، تاریخ، تحقیقی نمونوں اور بین العلومی نوعیت پر لکھی جانے والی تمام تر کُتب انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور عبرانی زبانوں میں ہیں۔ انگریزی کے علاوہ دوسری زبانوں میں تصنیف ہونے والی کُتب کو انگریزی میں ترجمایا جا چکا ہے۔ لہٰذا علم ترجمہ کے حوالے سے ہونے والے کام کا بڑا سرمایہ انگریزی زبان میں دستیاب ہے۔ اس لیے اُردو دان طبقے کو اس علم کی تحصیل کی خاطر انگریزی سرمایہ علم سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بنیادی اہمیت کی حامل کُتب کا اُردو ترجمہ کرنا وقت کا تقاضا بھی ہے اور ایک ناگزیر علمی ضرورت بھی۔ اس ضمن میں کسی احساس کمتری یا ندامت کی ضرورت نہیں۔ علم کسی قوم یا فرد کی

میراث نہیں، اقوام نے ہمیشہ دوسری قوم کی علمی ترقیوں سے فائدہ اُٹھایا ہے اور مزید تحقیق و جستجو کے ذریعے اس سلسلے کو مزید ترقی دی ہے۔

تاریخ ادب میں بھی ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ ایک زبان کے ادب نے ترقی یافتہ اقوام کے ادبوں سے اصناف، شعریات اور تصورات مستعار لیے ہیں۔ اسی طرح ایک ادب اپنے کسی کمزور پہلو کو تقویت دینے کی خاطر یا تغیر کے ایسے عہد میں جب کسی زبان کے ادب کے مروجہ نمونے ناکافی تصور کیے جاتے ہیں یا کسی علمی خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ترقی یافتہ زبانوں کے ادب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اُردو نظم، غزل، افسانہ، ناول، مضمون، انشائیہ، ڈراما، تحقیق اور تنقید کی تاریخ کو اس زاویے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس تناظر میں اُردو ادب کے ارتقا کا مطالعہ دلچسپ نتائج سامنے لا سکتا ہے۔

علم ترجمہ (Translation Studies) ترجمے کے فن، فکر، فلسفے، تحقیق، تنقید اور تاریخ کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرنے والا علم ہے اور اس کے جملہ پہلوؤں کے گہرے مطالعے ہی سے اس علم پر دسترس ممکن ہے۔ اس علم پر دسترس اور گہری بصیرت کے نتیجے میں اُردو اَدب کی تحقیق میں ایک نئے اور روشن باب کا اضافہ ممکن ہو سکے گا۔ جس سے تحقیق کا معیار بھی بلند ہو گا اور ادب کی تفہیم کے نئے دریچے بھی کھلیں گے۔ کیوں کہ علم ترجمہ ایک نیا اور الگ شعبہ ءعلم ہے اس لیے اُردو اَدب میں ترجمے کے حوالے سے ہونے والی تحقیق بین العلومی تحقیق کی نوع میں شامل ہو گی، جس کی فی زمانہ اہمیت بھی ہے، افادیت بھی اور ضرورت بھی۔ ناصر عباس نیّر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "جہاں تک ادبی تحقیق کے لیے پیراڈائم کے انتخاب کا مطالعہ ہے تو اس کے لیے بین العلومی (Interdisciplinary) پیراڈائم ہی موزوں ہَے"۔[۸]

لیکن مختلف علوم پر دسترس، گہری بصیرت، وسیع مطالعے اور لگن سے ہی بین العلومی تحقیق کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ایم۔ فل اور پی۔ ایچ ڈی کے اسکالر کورس ورک کی تکمیل کے بعد موضوعات کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور بالآخر ایسے موضوعات پر آ کر رکتے ہیں جن سے ڈگری کا حصول تو ممکن ہو جاتا ہے لیکن زبان و ادب کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ علم ترجمہ کے شعبے سے آشنائی، اُردو نظم و نثر میں تراجم کی توانا اور طویل روایت کے باعث نئے اور اچھوتے موضوعات کا ایک در وا ہو جائے گا اور ایسے موضوعات سامنے آئیں گے جن کی اہمیت بھی ہو گی، افادیت بھی اور وقت سے ہم آہنگی اور مناسبت بھی۔ ابھی تک مختلف جامعات میں تراجم پر تحریر کیے جانے والے

تحقیقی مقالات علم ترجمہ کے تحقیقی نمونوں اور اصولوں سے بے خبری کے باعث پست درجے اور سطحی نوعیت کے ہیں۔

اُردو اَدب میں بین العلومی مطالعات سے ایک طرف تو تحقیق کا معیار بلند ہو گا اور دوسری طرف نو آموز اسکالروں کو تحقیق کے لیے نئے موضوعات بھی ملیں گے۔ لیکن اس کے لیے وسعتِ مطالعہ، دوسرے علوم سے واقفیت، ان کے تحقیقی نمونوں اور نظریات سے آگاہی لازمی شرط ہے۔ دوسرے علوم میں ترجمہ وہ نمایاں علم ہے جس کا اُردو زبان و ادب سے گہرا اور پرانا رشتہ ہے۔ مگر افسوس ہمارے تساہل اور کم علمی کے باعث اس رشتے کو درخورِ اعتنا سمجھ کر تحقیق کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی اور اچھی بات یہ ہے کہ مغرب میں اس علم نے بے پناہ ترقی کر لی ہے اور خاص طور پر ۱۹۷۰ء کے بعد تو اس شعبہ علم میں برق رفتار ترقی دیکھی گئی ہے، جس سے مستفید ہو کر بین العلومی ادبی تحقیق کے ایک نئے دور کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں ایک توجہ طلب پہلو یہ بھی ہے کہ ابھی تک بہت سے شعبہ ہائے علم کی بنیادی اور اہم ترین کُتب اُردو میں ترجمہ نہیں ہوئیں۔ مثلاً تقابلی ادب، علم ترجمہ، جدید تنقیدی و تحقیقی نظریات و تصورات اور لسانیات وغیرہ۔ جب کوئی اسکالر ان موضوعات پر تحقیق یا مطالعہ کرتا ہے تو اسے اُردو زبان میں مواد نہیں ملتا۔ لیکن ترقی یافتہ زبانوں اور خصوصاً انگریزی میں ان موضوعات پر سینکڑوں کُتب دستیاب ہیں۔ اُردو دان طبقے کو اُردو زبان میں ڈھالنے کے لیے ترجمے کا بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ کم از کم بنیادی نوعیت کی کُتب کا ترجمہ تو وقت کی ناگزیر ضرورت ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں اعلیٰ درجے کے مترجمین درکار ہوں گے، جو ترجمہ کاری کی غیر معمولی صلاحیت کے ساتھ ساتھ جدید علم ترجمہ کے جملہ پہلوؤں سے باخبر ہوں۔ تبھی وہ عصر حاضر میں تخلیق ہونے والے شاندار علمی و ادبی جواہر کو اُردو زبان میں منتقل کر سکیں گے۔ اس حوالے سے علم ترجمہ کی حالیہ ترقیوں اور جدید تقاضوں کے مطابق مترجمین کی تربیت بھی ممکن ہو سکے گی۔ مغربی ممالک کی جن یونیورسٹیوں میں علم ترجمہ کا شعبہ قائم ہے وہاں مترجمین کی تربیت انھی جدید خطوط پر کی جاتی ہے۔ مغرب کے عصر حاضر کے سرکردہ علما اور نظریہ سازوں نے اپنے مراکز میں مترجمین کی تربیت بھی جدید تحقیق اور عصری تقاضوں اور ضرورتوں کے تحت کی ہے۔ اس حوالے سے اُردو دنیا پر سکوت کا عالم طاری ہے۔ کبھی کوئی مترجم یا صاحبِ ذوق اپنی پسند اور ذوق کے

مطابق کسی کتاب کا ترجمہ کرتا ہے یا پھر مغرب میں مقبول ہونے والے ناولوں اور افسانوں کا تجارتی اغراض سے ترجمہ کر کے مالی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

علم ترجمہ کی بنیادی اور اہم جہت تراجم پر تنقید ہے۔ مگر اردو دان طبقے بے اعتنائی اور بے خبری یا تن آسانی کے نتیجے میں اُردو زبان میں تراجم پر مربوط تنقید کا وجود ہی نہیں ہے۔ تنقید ہی وہ کسوٹی ہے جس کی مدد سے ہم تراجم کو جانچ اور پرکھ سکتے ہیں۔ ان کے محاسن و معائب اور معیار کا تعین کر سکتے ہیں۔ جس سے مستقبل کی ترجمہ کاری کے معیار کو بلند کیا جا سکتا ہے اور تراجم پر پُر مغز اور بامعنی مکالمے کا آغاز ہو سکتا ہے۔ ہمارے تراجم پر تبصروں میں پائی جانے والی تنقید تذکروں کے دور کی تنقیدی رائے کے برابر درجہ بھی نہیں رکھتی۔ چند جملوں کی تکرار اور بس۔ وجہ یہی ہے کہ ہم نے اس شعبے پر بحیثیت علم توجہ نہیں دی اور نہ ہی باقی دنیا میں ہونے والی علمی ترقیوں پر نظر التفات ڈالی ہے۔ جس کی وجہ سے اس شعبہ علم میں ہم ترقی یافتہ اقوام سے صدیوں کے فاصلے پر ہیں۔ اُردو زبان میں دستیاب اُردو کُتب جو زیادہ تر مرتبہ ہیں، ابھی تک ترجمے کے حوالے سے دو ہزار سال پرانی بحث میں مقید ہیں۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیّر کہتے ہیں:

> "اُردو میں کلاسیکی مشرقی زبانوں یعنی عربی و فارسی اور کسی حد تک سنسکرت سے اور یورپی زبانوں، خصوصاً انگریزی سے تراجم کی باقاعدہ روایت موجود ہے۔ مگر خود ترجمہ نگاری کے فن (یا سائنس) پر تحقیقی و علمی کام برائے نام ہے۔ چند ایک مرتبہ کتب ہیں، ان میں بھی بیسویں صدی کے اوائل تک مغربی تصورات کی شرح ملتی ہے"۔ (۹)

تنقید نقاد سے اعلیٰ درجے کی علمی بصیرت، قوت استدلال، ذوق مطالعہ، جرات اور قوت بیان کا تقاضا کرتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو تنقید سطحی، یک رخی اور تاثراتی ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ ادب کی تاریک گوشوں کو منور نہیں کر سکے گی۔ اعلیٰ درجے کی تنقیدی صلاحیت کے لیے ایک نظامِ فکر، نقطہ ء نظر اور نظریہ علم بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ دنیائے ادب میں تنقید کے مختلف مکتبہ ہائے فکر اُبھرے اور علمی ترقیوں اور فکری ارتقا کے نتیجے میں ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن اُردو زبان میں ابھی تک ترجمے کے حوالے سے مربوط فکر کے نتیجے میں کوئی ایسا نظریہ وضع نہیں ہو سکا جو ترجمے کے حوالے سے ایک خاص تصور، فکر، نقطہ ء نظر اور حکمت عملی رکھتا ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم ترجمے کو محض ایک فن کا درجہ دینے کے تصور سے باہر نہیں نکل پائے اور نہ ہی اس میدان میں عالمی علمی ترقیوں سے آگہی حاصل کر سکے ہیں۔ اس حوالے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک آہنی قفس میں مقید ہیں۔

"اُردو دنیا باقی علمی دنیا سے لاتعلقی میں عجب سرشاری بلکہ تفاخر محسوس کرتی ہے، اسے ہر اجنبی علمی نظریہ اپنی صورتحال سے غیر متعلق اور اغیار کی سازش لگتا ہے"۔(۱۰)

اُردو دنیا اپنے حال میں مست ہے اور حیرت کی بات ہے کہ جس عامل (Factor) نے اُردو اَدب کی ترقی اور فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا اُس پر سنجیدہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ تراجم کا سنجیدگی سے مطالعہ اور تجزیہ کرنے پر شائد اُردو دان طبقے کی طبیعت ہی مائل نہیں اور نہ ہی ترجمے کی بھرپور اور توانا روایت کو کھنگال کر کوئی موثر علمی نظریہ وضع کیا جا سکا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فاخرہ نورین اپنی کتاب "ترجمہ کاری" میں راقمطراز ہیں:

"اُردو میں فن ترجمہ کے نظریات پر کوئی ایسا کام نہیں ہوا جو محض تصوراتی اور خالی خولی منطق سے ہٹ کر باقاعدہ کسی علمی نظریے کے تحت کیا گیا ہو"۔(۱۱)

اُردو دان طبقے کو علم ترجمہ کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر اور اُردو ترجے کے بھرپور روایت سے استفادہ کر کے ایسے نظریات وضع کرنے کی ضرورت ہے جو ہماری زبان، تہذیب، روایت اور علمی ضرورتوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان نظریات کے وجود میں آنے سے اُردو زبان میں تراجم پر تحقیق و تنقید کے نئے دور کا آغاز ہو سکے گا۔ اس کے برعکس مغرب میں علم ترجمہ کے نظریات پر شاندار، وقیع اور قابل تقلید کام ہوا ہے۔ مغرب میں ترجمے کے نظریے کا آغاز پہلی صدی (ق۔م) سیسرو (Cecero) سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد سینٹ جیروم، ڈولٹ، ٹائٹلر اور ڈرائیڈن نے ابتدائی طور پر لفظی اور مفہومی ترجمے کی بات کی اور بنیادی اصول وضع کیے۔ لیکن علم ترجمہ کے نظریے کی جانب جدید پیش رفت بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں دکھائی دیتی ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں مطابقت اور مطابقتی اثر کی بات کی گئی۔ یوجنی نیڈا نے پیغام موصول کرنے والے کی اہمیت پر زور دیا۔ اس کے ساتھ ہی پیٹر نیومارک نے Semantic Translation اور Communicative Translation کے تصورات پیش کیے۔ اس کے علاوہ کولر نے بھی مطابقت کا تصور پیش کیا۔ اس کے بعد ونے (Vinary) اور ڈار بلنٹ نے ترجمے میں وقوع پذیر ہونے والی لسانی تبدیلیوں کا جائزہ پیش کیا۔ اس ضمن میں کیٹ فورڈ کا لسانی نمونہ اور لیون زوارت نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں Translation shift approach کا تصور پیش کیا۔ رائس (Reiss) اور ویمئر نے متن کی اقسام (Text typology) اور سکوپوز تھیوری (Skopos Theory) پیش کی جو ترجمہ شدہ متن کی افادیت پر بحث کرتی ہے۔ ہاؤس (House) نے رجسٹر کے تجربے کا نمونہ پیش کیا۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشروں

میں علم ترجمہ میں کلچرل سٹڈیز کے اثرات کا جائزہ لیا گیا۔ اسی عرصے میں علم ترجمہ میں مابعد نو آبادیاتی ترجمے کے نظریات نے بھی فروغ پایا۔ برمن اور ونوٹی نے ترجمے میں غیر ملکی عناصر کے تجزیے اور مترجم کے غیاب (Invisibility of Translator) کی بات کی۔ سٹائز، بنجمن اور دریدا نے بھی ترجمے کے نظریے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا اور دریدا کی ردِ تشکیل کی تحریک بھی علم ترجمہ پر اثر انداز ہوئی۔ بنگالی عالم اور مترجم گائتری چکروتی سپیواک نے ترجمے کی سیاست اور مابعد نو آبادیاتی مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ سنل ہارنبی (Snell Hornby) نے علم ترجمہ میں Integrated Approach دی اور علم ترجمہ کو بین العلومی شعبہ بنانے اور نمایاں کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان تصورات کی تفصیل مطالعے کے لیے سوزن بیسنٹ کی کتاب "The History of Translation Theory"۔ جیریمی منڈے کی کتاب Introducing Translation Studies اور جنٹلر کی کتاب "Contemporary Translation Theories" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ کتب علم ترجمے کی بنیادی تصورات و نظریات، تحقیقی نمونوں، عہد بہ عہد ترقی اور نظریہ ءترجمہ کے ارتقا اور علم ترجمہ کی فی زمانہ ایک الگ شعبہ علم کی حیثیت سے شناخت سے بحث کرتی ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں بھی تحقیق کے دوران میں ان کُتب سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ ان تصورات و نظریات کا اجمالی جائزہ لینے کا مقصد فقط یہ ہے کہ مغرب میں علم ترجمہ پر کسی قدر اعلیٰ درجے کا کام ہوا ہے۔ لیکن ہم ابھی تک ان علمی ترقیوں سے کوسوں دور ہیں۔

عصری علمی و سائینسی ترقیوں نے اقوام اور ممالک کے درمیان فاصلے مٹا کر دنیا کو حقیقی معنوں میں ایک عالمی دیہات (Global Village) میں تبدیل کر دیا ہے۔ اقوام دوسروں کے علوم و فنون اور سائینسی ترقیوں سے بھرپور استفادہ کر رہی ہیں۔ اس استفادے کی ایک صورت دوسری اقوام کی علمی کارناموں اور ذہنی کاوشوں کا ترجمہ ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں ترجمہ کاری (Translating) کا عمل اس قدر تیز رفتار ہے کہ دوسری زبان کی نئی کتاب چند ہی روز میں ترجمہ ہو جاتی ہے۔ ان عالمی علمی و فکری ترقیوں سے اغماز کا نتیجہ سوائے فکری تنزل و علمی پسماندگی کے کچھ بھی نہیں۔ حالات کا تقاضا اور وقت کی ضرورت ہے کہ ہم علم ترجمہ سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے تراجم پر تحقیق، تنقید، مترجمین کی تربیت اور ترجمہ کاری کے جدید ترین اصولوں کو اپنا کر اُردو زبان و ادب کا دامن وسیع کریں۔ تا کہ اُردو زبان و ادب عصری علمی و ادبی ترقیوں سے ہم آہنگ ہو سکے۔

حوالہ جات

۱۔ سوزن بیسنٹ، تقابلی ادب، (مترجم) توحید احمد، پورب اکادمی، اسلام، ۲۰۱۴ء، ص ۲۱۱۔

۲۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۵۰۴-۵۰۵۔

۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اُردو تنقید، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، ۲۰۱۴ء، ص ۱۰۷۔

۴۔ خلیق انجم، (مرتبہ) فن ترجمہ نگاری، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۹۔

۵۔ مرزا حامد بیگ، ترجمے کا فن، ایضاً، ۱۹۸۷ء، ص ۳۹۔

۶۔ ظہور الدین، پروفیسر، فنِ ترجمہ نگاری، سیمانت پرکاش، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ۷۔

۷۔ صفدر رشید، فنِ ترجمہ کاری، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۔

۸۔ ناصر عباس نیّر، اُردو تحقیق کے پیراڈائم پر ایک نظر، مضمون، (مشمولہ) اخبار اُردو، شمارہ بابت ماہ دسمبر ۲۰۰۹ء مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۱۸۔

۹۔ ناصر عباس نیّر، ڈاکٹر، (پیش لفظ) ترجمہ کاری، از فاخرہ نورین، ادارہ تحقیقات اُردو، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۸۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۔

۱۱۔ فاخرہ نورین، ترجمہ کاری، ادارہ تحقیقات اُردو، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۸۶۔